Journal of law social and management sciences 3(2) 1-9, 2024
Journal home page: https://jlsms.org/index.php/jlsms

Open Access
ISSN:2959-3867

The Idea of Will of liberty and State Formation: An objective Study.

ارادہ آزادی کا فلسفہ اور تخلیق ریاست: ایک معروضی مطالعہ

Dr. Muhammad Ali Junaid
Ph.D. Scholars, Department of Political Science, University of Karachi
majunaid@live.com

Abstract: Mostly we see in political Science Textual and Philosophical books, in which it has been stated that there are four components on which any state is Consist on, Area, Population, Government, and sovereignty etc . but Author in his Several Writing Generally and Especially in this Article Focused that, the most important component that contributes to the formation of any state is the will of Freedom or will to liberty, it is pre-condition Component on which any state is crafted, and this precondition is established when people living in any area show their collective will to form an Independent state under the free independent Government Chosen by themselves, this study investigate this pre-state craft peoples will in the light of Historical and Philosophical reasoning.

Key Words: freedom, state, government, population, area, sovereignty, Islam, revolution, intentions, Kant, William James, ideology, philosophy, Prophet Muhammad (phub).

تمہید:

ارادہ آزادی کی یہ اصطلاح جو آج میرے پیشِ نظر ہے شاید اس سے بڑا طبقہ و جماعت غیر واقف ہو، مگر میں اس فلسفہ اور اس کی اہمیت وافادیت اپنی کئی تحریروں میں بیان کر چکا ہوں جن میں اول میرا پی۔ایچ۔ڈی کا تحقیقی مقالہ ہے: جسکا عنوان ہے۔

ریاست مدینہ :دور ریاست اور عہد ہائے خلفائے راشدین میں : علمی و تحقیقی مطالعہ (۱ہجری تا ۴۰ ہجری)،

اس کے علاوہ اس اصطلاح کو یہ ناچیز عرصہ قبل اپنی سیاست پر غیر مطبوعہ کتاب جو اب طباعت کے مراحل سے گزر رہی ہے اور عین ممکن ہے کہ یہ تحریر اور حوالہ کردہ کتاب آگے ،پیچھے طبع ہو جائیں، جس کا نام تفہیم سیاست ہے، جس میں ریاست کے ضمن میں اس اصطلاح کا ذکر کیا گیا ہے، اس کے علاوہ اس کا ذکر ریاست مدینہ کی تخلیق کے ضمن میں جریدہ التفسیر میں میرے چھپنے والے مقالے میں بھی کیا گیا ہے[1]۔

ارادہ آزادی کی حکمت و فلسفیت بیان کرنا بذاتِ خود ایک کتاب کا تقاضہ کرتا امر ہے، لہذا ان محدود و متعین صفحات میں اس کو خالصتا، جزئی طور پر ارادہ، آزادی، نیت، جبر و قدرت کے فکری مباحث کے تناظر میں کرنا بحث کو کہاں سے کہاں پہنچا سکتا ہے، اس کا اندازہ علم کلام کا کوئی بھی قاری و محقق کر سکتا ہے۔

سب سے اول اس امر کو سمجھنے کی اشد ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اس کا تعلق معروف زبان میں موجود تصور آزادی ارادہ بمعنی فری ول سے نہیں بنتا ہے، جس کے مطابق کسی فرد و گروہ کا بنا شعور، آزادی کو حتمی مانتے ہوئے بغیر کسی خارجی تحریک کے آزادانہ ارادہ بروئے کار مراد ہے اور جس کے لئے نا اس پر کوئی دباو ہو اور نا وہ اس ارادہ کے ماقبل شعور ادراک کا حامل ہو۔

کیونکہ اگر کسی نے میری ارادہ آزادی کے قبل تخلیق ریاست حقیقت وماہیت کو سمجھنے کی کوشش کی ہو گی، اس کا ہلکا سا بھی ادراک و احساس کرنے کی کوشش کی ہو گی تو وہ واقف ہو گا، کہ یہ اصطلاح کسی تخیل کی پیداوار نہیں ہے بلکہ بلشعور اس ارادہ کی غماز ہے، جو ایک ریاست کی تخلیق سے قبل مختلف حالتوں و کیفیتوں میں زماں و مکان کے ساتھ بروئے کار لایا گیا ہوتا ہے۔

ارادہ آزادی کو انگریزی زبان میں بیان کرنا اس کی وہ روح و فکر گم دیتا ہے جو میری ذہنی موضوعیت میں جوہری طور پر نمودار ہوئی تھی، اور جس کی وضاحت کرنے کی میں ایک حقیر سی جستجو کرنے میں مصروف ہوں۔

ارادہ مرید کا کسی امر کو قبل از عمل معرض وجود و عمل میں لانے کے

Copyright©HabibiaResearchAcademy

شعور کا نام ہے،جو ایک ذہنی،شعوری و قلبی ارادیت کا فعلی نام ہے، جو خلق و عمل سے قبل بطور ارادہ داخلی طور پر شعوری مدارج طے کرکے نمودار ہوتا ہے،اس کو شرعی زبان میں نیت کے قریب لے سکتے ہیں ،جیسا کہ معروف حدیث جو عمرؓ سے مروی ہے کہ:نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ: اعمالوں کا دارومدار نیتوں پر (استوار ہوتا) ہے۔[2]

ریاست کہنے کو سادہ مگر عملی طور پر ایک پیچیدہ طاقت کا منبع ومصدر ہے،اہل اجتماعیت کے لئے یہ اجتماع کے منظم اظہار و رہایش کا مظہر ہے،جہاں فرد کی ذات کی تشکیل و تکمیل ریاست کے تابع ہوتی ہے،یعنی ان کے نزدیک ریاست عین مقصد حیات و مقصود بالذات مانی جاتی ہے،اور تمام ترترقی،عدل،انصاف،شعورِ ذات،اور نظم و خیر کا منبع و مصدر ریاست ہوتی ہے،یہ تمام مطلق العنان بادشاہتوں ،آمریتوں اور اشتراکی و فاشسٹ ریاستوں کا مقبول عام موقف سمجھا جاسکتا ہے۔

ہم اپنے سابقہ ریاست کے ارتقا و ابتدا کی بابت شائع شدہ مقالے میں اور کتاب تفہیم سیاست میں اس قسم کے نظریات کو موضوع بحث بنا چکے ہیں، محولہ بالا نظریہ کے مقابل جدید لبرل،فری ول کی حامل سرمایہ دارانہ جمہوریتوں کا موقف انسان کو بلذات مقصد سمجھنے کا رہا ہے۔جس کی کوکھ سے اول انفرادیت،لبرل حریت فکر اور پھر مابعد انسانی حقوق کا فلسفہ پیدا ہوا۔

ارادہ سے کیا مراد ہے؟

یہ تمام افکار، نظریات و نظام کیا ہیں؟ کیا ان کے پیچھے گروہی نظریاتی فرقہ وارانہ شعور کار فرما ہے؟ یہ الگ بحث کا حامل امر ہے کہ شعور بذاتِ خود کیا شہ ہے ،کیسے آتا ہے،کون سے عوامل اس کے پیچھے کار فرما ہوتے ہیں؟شعور تجربہ سے حاصل ہوتا ہے،خالی سوچ بچار سے حاصل ہوتا ہے یا پھر تربیت، تعلیم آموزش ،حواس خمسہ ، تحقیق و مطالعہ کا مشترکہ ذہنی نتیجہ ہوتا ہے،نفسیات اور اعصابی دائرہ کار سے اس بابت قطعیت سے کچھ کہنا ناممکن ہے،اگر چہ اس ضمن میں اِختلاف، متنوع تعریفات و قیاسات پائے جاتے ہیں۔

ہم اس امر کو مختلف فلسفیانہ استعمالات کے تناظر میں دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں ،اس وقت میرے پیش نظر کشاف اصطلاحات فلسفہ ازڈاکٹر قاضی عبدالقادر موجود ہے، جو ارادہ سے متعقلہ مختلف اصطلاحات کو بروئے کار لاتی ہے۔

اس کشاف کی رو سے ارادہ نیتوں اور خواہشوں کے سیاق و سباق میں ہمارے اعمال کو گرفت میں رکھنے اور متعین کرنے والی قوت کا نام ہے[3]۔

اسی طرح اخلاقی طور پر جو ارادیت پائی جاتی ہے اس کا ماننا ہے کہ انسانی ارادہ اخلاقی فیصلوں اور اقدار کے تعین کی بنیاد ہوتا ہے۔جب ہم ارادیت کو جو ارادہ کی ایک منزل مابعد ہے کو مابعد از طبیعات کے تناظر میں دیکھتے ہیں تو اس عقیدہ کا حال معلوم پڑتا ہے جس کی رو سے انسانی تجربہ اور کائنات بحیثیتِ مجموعی کل میں ارادہ کی عملداری کا نام ہے، اور یہ تغیر و تبدیلی کی اساس ہے،اسے عقل پر فوقیت حاصل ہے، لہذا عقل کی رہنمائی میں عمل نہیں کرتی ہے۔ولیم جیمز اور برگساں نے اس قسم کی گفتگو کی ہے جس کا مختصر حال آخر میں آئیگا،ہم تو خیر یہاں جس ول یا ارادہ کو زیر بحث لانا چاہتے ہیں وہ بلشعور ،معقولی،اجتماعی ارادیت کا سیاسی نام ہے۔مگر اس سے ملی جلتی ایک نفسیاتی فلسفیانہ تفہیم مشہور نفسیات دان مفکر سر ویلیم جیمز کے ہاں ارادہ برائے عقیدہ یا عقیدتی ارادہ میں بھی ملتی ہے،جس میں بیان کیا گیا ہے کہ یہ وہ عقیدہ، قضیہ،تصور یا خیال ہے جس پر آپ عمل کرنے کو تیار ہوں۔[4]

ارادہ وخواہش کی فکری نسبت:

ارادہ کبھی کبھار خواہش کے بھی مترادف تصور کیا جانے لگتا ہے،جہاں ارادہ آئے گا،نیت ہوگی وہاں قانون اپنا دایرہ،جانچ پڑتال،سوچ بچار ،علت معلول کے لئے پھیلانے لگے گا اور جہاں خواہش کار فرما ہوگی وہاں اکثر و بیشتر اخلاق و مذہب دامن گھیرنے لگیں گے چناچہ خواہش کی بابت تبصرہ کرتے ہوئے علامہ مودودیؒ فرماتے ہیں کہ:

"پہلے خواہش کو لیجئے، کیا یہ انسان کی راہ نما بن سکتی ہے؟ اگر چہ یہ انسان کے اندر اصلی محرک عمل ہے، مگر اس کی عین فطرت میں جو کم زوریاں موجود ہیں ان کی بنا پر یہ راہنمائی کے قابل ہر گز ہو نہیں سکتی، تنہا راہنمائی کرنا تو درکنار، عقل اور علم کو بھی اکثر اس نے گمراہ کیا ہے۔اسے تربیت کرکے خواہ کتنا ہی روشن خیال بنا دیا جائے، فیصلہ جب کبھی اس پر چھوڑا جائے گا تو بلا مبالغہ ۹۹ فیصدی حالات میں غیر مستقیم فیصلہ کرے گی، کیونکہ اس کے اندر جو تقاضے پائے جاتے ہیں

وہ اسے صحیح فیصلہ کرنے کی بجائے ایسا فیصلہ کرنے پر مجبور کرتے ہں ،جس سے مطلوب کسی نا کسی طرح جلد اور با آسانی حاصل ہو جائے ۔یہ نجانے خود کی خواہش ہو یا ایک طبقے کی، یا وہ خواہش عامہ جس کا ذکر روسو نے کیا ہے، بحر حال کسی قسم کی انسانی خواہش میں بھی فطر تا یہ صلاحیت نہیں ہے کہ الدین کے وضع کرنے میں مدد گار بن سکے، بلکہ جہاں تک مسایل عالیہ مثلاً حیات انسانی کی حقیقت، اس کے مال اس کی غایت کا تعلق ہے، انہیں حل کرنے میں تو وہ کسی طرح مدد گار بن نہیں سکتی۔"[5]

جیسا کہ کوئی قاری و محقق علامہ کی محولہ بالا رائے پڑھ کر سوچ و فکر کا شکار ہو سکتا ہے کہ مولانا خواہش پر حتمی فی الجملہ نقد کرنے میں مصروف ہیں یا خواہش کے کسی جزئ تخریبی پہلو پر روشنی ڈال رہے ہیں، میرا اندازہ ہے کہ علامہ جیسا عبقری اس ضمن میں حتمی رائے کا اظہار کرنے کی جگہ جزئی ذہنی موضوعیت کے تناظر میں منفی خواہش یا منفی ارادہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، ورنا مومن کے قلبِ سلیم، اور معقول بصیرت والے حکیم و فطین فرد، خوف خدا والے متقی و پرہیز گار فرد کی خواہش متعین، محدود و مستقیم نوعیت کی حامل ہوتی ہے۔ جیسا کہ ہم نے اپنے پی۔ایچ۔ڈی کے مقالہ میں ارادہ آزادی کے ضمن میں ریاست مدینہ کی تخلیق سے قبل کی حالت و کیفیت پر روشنی ڈالتے ہوئے بیعت عقبہ اولی و ثانی کے دورون انصار کی نبی اکرم ﷺ کے ہاتھوں قبولیت اسلام کے بابت بیعت کا ذکر کیا ہے۔ اس میں ناچیز نے اس امر پر روشنی ڈالی ہے، کہ ان انصاری صحابہ کرامؓ نے ہجرت مدینہ اور تخلیق ریاست سے قبل نا صرف اسلام قبول کیا تھا، بلکہ ساتھ ساتھ انھونے اپ ﷺ کو مدینہ آنے کی دعوت دی تھی، اور آپ کے بطور رسول الملوک، اولی الامر ہونے کے حق کو مانا تھا، بلکہ ابن ہشام کی روایات کی رو سے آپ ﷺ کی حفاظت و اطاعت کا ذمہ بھی لے لیا تھا، اس تناظر میں کہا جا سکتا ہے کہ اہل انصار نے مدینہ میں نبی اکرم ﷺ کے زیر سایہ منظم مدنی سیاسی معاشرے کے قیام پر اپنی توثیق و حمایت کا اظہار کیا تھا۔[6]

اس ضمن میں ارادہ عمومی کے اظہار میں ان ذوات قدسیہ نے جس خواہش کا اظہار کیا اس معاہدہ عمرانی میں ان لوگوں نے نبی اکرم ﷺ کے مقتدر اعلی ہونے اور اللہ رب العالمین کے مقتدر اعلی ہونے کے امر کو تسلیم کیا تھا[7] اور اس مسلم سیاسی مدنی معاشرے میں داخل ہونے کی کنجی اور کلمہ شہریت لا الہ اللہ محمد رسول اللہ تھی۔

ارادہ عمومی کی بحث:

جہاں تک خواہش کے سیاق و سباق کا تعلق ہے اس کا ارادہ کے مترادف ہونے اور قانونی و علمی نزاکتوں کا تعلق ہے ان کو چھیڑنے کا مقام یہاں موجود نہیں ہے، اور قیاس یہی ہے کہ مولانا مرحوم کی بھی دور دور تک وہ مراد نہیں ہو گی، کیونکہ اس ضمن میں ان کا سیاسی مذہبی دماغ عموم کو دیکھ رہا تھا خصوص ان کے پیش نظر نہیں تھا، مگر یہاں اتنا ابہام لازما پیدا ہوتا ہے کہ کیا مولانا کانٹ کی اخلاقی فلاسفی اور روسو کی جنرل ول کو کیا صحیح طرح سمجھ پائے تھے۔؟ اس محولہ بالا عبارت میں ارادہ عمومی کے تناظر میں کم ازم کم سیاسی فلسفہ کا ماہر و ماہر بصیرت ذہنی خلجان کا شکار ہو سکتا ہے اور مولانا کو عدم تفہیم کا طعنہ بھی مار سکتا ہے۔ کیونکہ رومانیت زدہ سائنس و ٹیکنالوجی کا منکر و ناقد روسو ارادہ عمومی کو دو حصوں میں تقسیم کرتا نظر آتا ہے، وہ تو اول انسان کو مجبور محض مانتا نظر آتا ہے جیسا کہ اس کا مشہور عالم جملہ ہے کہ انسان کہنے کو آزاد ہے مگر در حقیقت ان دیکھی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے۔

جہاں تک روسو کے نظریہ رضائے عامہ کا تعلق ہے اور جسے ارادہ عمومی[8] بھی ترجمہ کیا جاتا ہے، یہ ارادہ بہ حیثیتِ مجموعی کل معاشرے کا اظہار سمجھا جاتا ہے اور یہ کل معاشرے کی بھلائی و فلاح کی عکاسی کرتا دکھتا ہے لہذا یہ اسے وہ دو حصوں میں تقسیم کرتا نظر آتا ہے۔

۱۔ ارادہ حقیقی۔[9]

۲۔ ارادہ[10] اصلی۔[11]

اول الذکر کا دائرہ کار روسو کے نزدیک انفرادی، نجی اور ذاتی نوعیت اکا حامل مفاد پرستی اور خواہش نفسانی پر استوار ہوتا ہے۔ جبکہ موخر الذکر ارادہ جسے وہ حقیقی کے مقابل اصلی سمجھتا ہے خود کی جگہ کل معاشرے و سماج کی بھلائی اور فلاح کو اہم سمجھنے کا مخزن گردانتا ہے، اور دو میں حقیقی و اصلی مترادف الفاظات ہیں مگر اکثر و بیشتر اور دو فلسفہ کی کتب میں روسو کے ارادہ کی بحث میں ان کو مختلیف دکھایا گیا ہے۔ اس طرح جدید ریاست رائے عامہ کی تکمیل و تشکیل کے قابل ہو جاتی ہے۔

ہم محسوس کرتے ہیں کہ یہاں علامہ مودودیؒ کی مراد ارادہ حقیقی ہے۔روسو واضح رہے کہ اکثریت کے ایسے مطالبات کی حاکمیت کو تسلیم نہیں کرتا ہے جہاں وہ اکثریتی طور پر مسلمہ اخلاقیات کا جنازہ نکالیں،اس کی کتاب اعترافات سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی حیات کی کجروی اور آزاد خیالی کا دفاع کرنے کی جگہ ان پر پشیمانی کا اظہار کرتا محسوس ہوتا ہے۔

ارادیت و عمل کی دوئیت پر کانٹ کا موقف:

اس ضمن میں کانٹ کی اخلاقی بحثیں بھی ارادہ آزادی کی جوہریت سمجھنے کے سلسلہ میں کام کی چیزیں ہیں۔جیسا کہ اس نے اپنے معروف مقالے اعتدال پسندی کیا ہے؟[12] میں بیان کیا ہے کہ سیزر بھی تراکیب نحوی سے بالاتر نہیں ہوتا ہے،وہ اپنی تنقید عقل محض میں وجود باری تعالی کے لیے حمایت و مواقفت میں آنے والے دلائل دونوں کا رد کرتا ہے مگر اخلاقی تناظر میں اس کے وجود کو لازمی سمجھتا ہے۔

ہم نے بیان کیا تھا کہ نیت،ارادہ اور خواہش اکثر و بیشتر مترادف و ہم معانی تصور کئے جاتے ہیں کانٹ بھی نیت کو ارادہ کے مترادف تصور کرتا نظر آتا ہے، ممکن ہے کہ ہر زبان میں ان کے لئے الگ الگ،الفاظ،معنی مفہوم اور علامتیں پائی جاتی ہوں مگر بین الاقوامی ابلاغیت ،اخذو قبول لغوی و نحوی تراکیب بندیوں۔لفظی و اصطلاحی اسمیت کے باوجود اپنی اپنی مقامی ذاہنی ابلاغیت کے باوجود یکسان مفہوم اخذ کرہے ہوں،چناچہ اس قسم کا ایک ماجر اولیم جیمز کے ضمن میں دیکھا گیا جس کا اشارہ اوپر گزرا ہے۔جہاں تک کانٹ کا تعلق ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے ذہن میں سوال اٹھتا نظر آتا ہے کہ آیا عمل کیا شہ ہے؟ پھر وہ خود ہی اس کا جواب دیتا ملتا ہے،اس کی قدر قیمت نیت سے متعین ہوتی ہے جس کے ذریعہ اسے کیا جاتا ہے، مگر ساتھ حیران کن طور پر وہ اس سے حاصل ہونے والی شہ کو غیر اہم جانتا ہے،وہ اس عمومی فیصلے کو تسلیم کرنے پر آمادہ نظر آتا ہے جہاں اصل چیز نیت ہوتی ہے جس کے تحت کوئی ارادہ سرانجام دیا جاتا ہے،وجوہات ہمیشہ بے محل ہوا کرتی ہیں۔۔کانٹ بھی معلوم پڑتا ہے کہ کچھ حد تک تخصیص کار پر یقین رکھنے کی افلاطونی وارسطوئی عمومیت پر یقین کرتا معلوم ہوتا ہے،چناچہ صحیح نیت اس کے نزدیک اپنا اخلاقی فرض ادا کرنا مراد لی جاتی ہے،جبکہ افلاطون تو اسے عین انصاف گردانتا ہے۔[13]

ارادہ آزادی کا مسلہ مختلیف ادوار میں مختلیف اذہان و دانشوروں کے نزدیک مختلیف درجات کے حامل معنی و مفہوم کا مخزن رہا ہے،بقول قاضی قیصر الاسلام اپنے محدود ترین معنی میں آزادی کے لفظ سے کسی بیرونی قوت کی جانب سے کسی قسم کے جبر و دباو یا امتناع کا نا ہونا مراد ہوتا ہے۔غلام آزاد نہیں ہوتا ہے کیونکہ اس پر دوسروں کی جانب سے پابندیاں ہوتی ہیں۔تاہم آزاد ارادہ کے ضمن میں معنی و مفہوم بدل جاتے ہیں آزادی ارادے کے نظریہ کے حمایتی فلسفیوں کو اختیاریت پسند کہا جاتا ہے اور دوسروں کو جو آزادی ارادہ کے منکر ہوتے ہیں کو جبریت پسند کہتے ہیں۔[14]

جیسا کہ اوپر نظریہ جبر و تقدیر کی طرف بناوضاحت ضمناً اشارہ گزر چکا ہے۔جس پر معتزلہ،جہمیہ، مجسمیہ،روافض اور اہل سنت کے ہاں متکلمانہ معرکہ بازی ان کلامی مباحث پر ماضی کی تاریخ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

جوہری بحث:

اس ضمن میں یہ امر واضح رہے کہ اہل فلسفہ کے فری ول،یا آزادی ارادہ کی بحث ہماری بحث کی فکری بنیاد کو سمجھنے کے لئے کام آسکتی ہے، مگر ہماری اصطلاح صریحاً ناچیز کی اختراع شدہ ہے۔اور یہ کسی ریاست کی قبل تجربی تخلیق کی حالت کو بیان کرتی ہے۔اس کے پیس منظر کو آپ ریاستی تخلیق اور معاہدہ عمرانی کے تناظر میں دیکھ سکتے ہیں تفریق یہ پیدا ہوتی ہے کہ ہمارا قیاس قیاسی و ظنی نوعیت کا حامل مشکوک نہیں بلکہ تاریخی صداقتوں پر استوار ہے۔چناچہ موجودہ ریاست کے اجزائے ترکیبی کی جبریت ہوا میں اس وقت تک معلق رہتی ہے جب تک اسے ٹھوس تاریخی مابعد الطبیعات میسر نہیں آجاتی ہے،اس تناظر میں جب تک قبل تخلیق حالت و کیفیت کو تسلیم نہیں کیا جائے ریاست کے اجزائے ترکیبی غیر کامل اور بنا اساس رہیں گے،چناچہ یہ ناچیز محسوس کرتا ہے کہ کسی ریاست کی تخلیق کے لئے کسی مخصوص رقبہ پر رہایش پذیر افراد اپنی رضا ریاست کی تخلیق کے لئے اجتماعی طور پر ظاہر کرتے ہیں جس میں اول ارباب حل و عقد پہلے اپنا ارادہ آزادی ظاہر

کرتے ہیں پھر ان کے ذیلی عوام و اجتماع اس پر لبیک کہہ کر بیعت کر کے مہر ثبت کر دیتے ہیں یوں معاہدہ ریاست اس ارادہ آذادی سے کامل ہو کر نافذ ہو جاتا ہے، پھر افراد خود میں سے کسی گروہ یا فرد کو حاکم مانتی ہے۔اس ضمن میں حاکم و حکومت ریاست نظم و نسق اور قانونی نظام کو منظم کرنے کے لئے آئین سازی کرتی ہے جس کا نتیجہ آئین کی صورت میں نکلتا ہے، اس آئین، قانون کو ایک راہ نما اصول و وجود مقتدر مقام حاصل کر کے ہدایتیں دیتا ہے، اہل مغرب نے اقتدار اعلی عوام کو سونپا ہے اور اسلام نے اقتدار اعلی اللہ رب العالمین کو سونپا جس کا آئینی اظہار آئین پاکستان ۱۹۷۳ میں بطور تمہید موجود قراردار مقاصد میں کیا گیا ہے۔

لہذا مختصر لفظوں میں یہ تعریف کی جاسکتی ہے کہ ارادہ آزادی سے مراد کسی ریاست کی بطور آزاد وجود تخلیق کے لئے کسی خطے کے عامتہ الناس و خاص اپنا ارادہ ظاہر کرتے ہیں، جسے ارادہ آزادی کہتے جس کے نتیجے میں وہ ریاست قائم ہوتی جس میں یہ آزاد ریاست کے آزاد شہری کے طور پر ایک خود مختار حکومت کے جھنڈہ تلے منظم زندگی بسر کرتے ہیں، اور ان کو نقشہ عالم میں شامل کیا جاتا ہے۔کچھ بین الاقوامی ذہن کے ماہرین کا کہنا ہے کہ ریاست کی دیگر ریاستون کی جانب تسلیمیت بھی ہونا ضروری ہے، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ طاقت جب اپنا وجود قایم کر کے کسی ٹھوس حقیقت کے طور پر خود کو عوام پر حاکم ثابت کرتی ہے، ملکی عوام اسے تسلیم کرتی ہے تو ارادہ کامل ہو جاتا ہے، تو اس ملک کے عوام کے ماننے اور اطاعت کرنے سے ہی ریاست کا وجود محقق ہو جاتا ہے، رواں صدی میں امریکہ و یورپ کے بیشتر ممالک جو عالمی سرمایہ دارانہ، جمہوری، مسابقتی، سیکولر، فری مارکیٹ، عالمگیریت اور انسانی پرستش کے تصورات پر کامل و حتمی اعتقادات کے پھیلاو و پرستش پر یقین رکھتے ہیں، اسی ریاست کی بین الاقوامی وجودیت کو بطور آزاد ریاست تسلیم کرتے ہیں جو ان کے تبلیغ شدہ محولہ بالا سیاسی اعتقادات پر آمنا و صدقنا کہنے پر آمادہ ہو اس تناظر میں یہ ممالک طالبان کے افغانستان اور آزاد فلسطین کے وجود کو تسلیم کرنے کے منکر ہیں۔

ارادی آزادی[15] کی تاریخی و سیاسی بنیادیں:

ارادہ آزادی کسی الگ با قاعدہ منفرد و آزاد وجود کی حامل ریاست کی قبل تجربی، و تخلیقی منصوبہ بندی کی کمیت و کیفیت کا غماز ہوتا ہے، یہ ایک ملی اجتماعی نیت و اِرادہ کا نام ہے۔جو تکمیل کے بعد عملی طور پر ریاست کی تشکیل کا سبب بنتا ہے۔اس ضمن میں کئی امور سمجھنے کی کوشش کی جاسکتی ہے۔ایک تو ارادہ آزادی کسی پہلے سے آزاد ریاست کے اندر کسی تبدیلی کا نام نہیں ہے، یعنی یہ کہ ارادہ آزادی ایک سماجی، قانونی و سیاسی تبدیلی کا نام ہے جو سیاسی جغرافیائی تبدیلی کے طور پر نمودار ہوتا ہے، درون ریاست تبدیلی کو انقلاب کہتے ہیں جیسے انقلاب فرانس،۔یہ سیاسی جغرافیائی تبدیلی بلوجود عالمی نقشہ میں شامل کی جاتی ہے۔اس سیاسی جغرافیہ میں ایک آزاد وجود کے تحت منظم حیات بسر کرنے کے لئے مجتمع ہوتی ہے۔ان کے سامنے سابقہ اقوام کی آزادی کی تاریخی مثالیں موجود ہوتی ہیں۔انھونے نظمیاتی، فکری، سیاسی و قانونی تبدیلی پیدا کر کے ایک ایسا کسی پابندی کے بغیر اقتدار اعلی تسلیم کیا ہوتا ہے جس کے ذیل ایک حکومت مقتدر اعلی کے طور کام کرتی ہے۔ملکی داخلی آئین جسے رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

ارادہ آزادی وجودی طور پر علمیاتی ڈھانچہ کی کامل تکمیل و تبدیلی قلب کا نام ہے، یہ اس کی خالص حالت ہے، اگر کل سماجی، سیاسی، و قانونی ارادیت مکمل منقلبیت و تبدیلی کے ساتھ نمودار ہو تو وہ ارادہ آزادی منقلب شدہ ارادہ آزادی ہوتا ہے، جس میں ریاست تو پہلے سے قائم ہوتی ہے، مگر نظام، منہج، عقاید، نظریات، نظمیہ اور روح و فکر کامل بدل جاتی ہے، جس کی خاص مثال انقلاب روس ہے جس میں انقلاب نا صرف زار کی شاہیت، جاگیر داریت کو فوراً اکھاڑ پھینکتا ہے، بلکہ معاشی، سیاسی، سماجی دایرہ کار کو بھی یکسر بدل دیتا ہے، یہ وہ وصف و خاصیت ہے جو اسے انقلاب فرانس سے متمیز کرتا ہے۔چناچہ ارادہ آزادی یہ اس انقلاب کو تو تسلیم کرتا ہے جو سماج، نظام، ائین، قانون، تعلیم و حکومت کو کامل بدل دے، مگر ایسا انقلاب اس کے مد نظر نہیں ہوتا ہے جو صرف ایک مملکت میں حکومت تبدیلی کا نام ہو، اس سے سماجی، سیاسی، آئینی و مذہبی تبدیلی رونما نہیں ہوئی ہو، چونکہ یہاں ہم مذہب کو خاص مقام دے کر زیر بحث نہیں لانا چاہتے ہیں، جبھی ہم نے

مذکورہ بالا سطور میں بس نبی اکرم ﷺ کی بیعت عقبہ اولی و ثانیہ کے ذریعہ قایم ہونے والی اسلامی ریاست کی طرف اشارہ فراہم کیاہے۔ جس کی تفصیل ناچیز کے تخصیصی مقالہ اور جریدہ التفسیر میں چھپنے والی انگریزی تحقیق میں دیکھی جاسکتی ہے۔

ارادہ آزادی کی سیاسی معاہداتی عمرانیت سمجھنے کے ضمن میں تفصیل کی جگہ ایک معروف مورخ و حکیم ول ڈیورانٹ کا ایک بیان پیش کرتاہوں جو ارادہ آزادی کی میری حکمت کو سمجھنے میں معاون ثابت ہو گا وہ لکھتاہے کہ:

"سن ۶۲۰ میں محمد ﷺ نے حج پر عقبہ آنے والے مدینہ کے زایرین کو اسلام کی دعوت دی، انھونے کچھ رغبت دکھائی، کیونکہ وہ مدینہ میں آباد یہودیوں کے توسط سے واحدانیت، پیغمبر خدا اور نظریہ روز قیامت سے کچھ واقفیت رکھتے تھے۔ اپنے شہر واپس آکر ان میں سے کچھ ایک نے عزیز و اقارب کو نئی پیش رفت کے متعلق بتایا، متعدد یہودیوں نے اپنی اور محمد ﷺ کی تعلیمات کے درمیان بہت کم فرق پایااور تھوڑی بہت پذیرائی کی۔ ۶۲۲ میں مدینہ کے کوئی ۷۳ شہری نجی طور پر محمد ﷺ کے پاس آئے اور انہیں اپنے ساتھ مدینہ چلنے کی دعوت دی ، آپ ﷺ نے پوچھا کیا وہ آپ ﷺ کی حفاظت کریں گے ؟ انھونے وعدہ کیا، مگر انھونے سوال کیا اگر وہ اس سبب مارے گئے تو انہیں کیا ملے گا تو محمد ﷺ نے جواب دیا جنت۔

مکہ چھوڑ کر محمد ﷺ نے بہت سے رشتہ توڑ دئے تھے، اب آپ نے خونی رستوں کی جگہ مذہبی بھائی چارے کے رشتہ قایم کرنے چاہے، مہاجر و انصار کے درمیان حسد کے خاتمہ کے لئے آپ ﷺ نے ایک مہاجر و انصار کو باہم ایک دوسرے کا بھائی بنادیا، دونوں گروہوں کو مسجد میں ایک ساتھ عبادت کرنے کا کہا۔ بلکہ انہیں تاقیامت ایسے ہی عبادت کرنے کا کہا، پیغمبر کی اتھارٹی نے مدینہ میں ایک شہری ریاست کو تخلیق کیا اور آپ ﷺ اپنے عہد کے عملی مسائل اور سماجی تنظیم کی ضروریات و اخلاقیات حتی کے قبایل کے مابین سفارت کاری اور لڑائی جیسے معاملات نمٹاتے تھے"[16]۔

ایک مغربی مورخ، فلسفی یا مستشرق سے اسلام کی بابت اس سے زیادہ اچھے تاثر کی توقع فضول ہے، ڈیوارنٹ اکثر و بیشتر اسلام کی بابت اپنی گہری معلومات کے فقدان اور ڈھکے چھپے تعصب کو چھپا نہیں پاتا ہے، اس سے قبل بھی ایک تحریر میں اس کی اسلام اور نبی اکرم ﷺ کی بابت الفاظوں کی عدم احطیاطیت و غلط فہمیوں کو واضح کرچکا ہوں۔ میں نے اس حوالے کو معتدل بنانے کی کوشش کی ہے ورنا اس میں بہت سے علمیاتی مسائل سر کھولے کھڑے ہیں جن کا یہاں مقام نہیں ہے۔ الحمد للہ یہودیوں ، منافقوں اور چند کم علم لوگوں کے سوا انصار و مہاجرین میں سرے سے ناکوئی بغض و حسد پائی جاتی تھی، اور ناکشمکش ملتی تھی۔ دونوں ریاست کے آغاز سے پھیلاو تک جسد واحد کی طرح کام کرتے رہے تھے چناچہ قرانِ حکیم و مجید ان نفوسِ قدسیہ کو ایک دوسرے پر باہم رحم کرنے والی جماعت کے مصداق **رحماء بینھم**[17] کے الفاظوں سے یاد کرتا ہے۔ ویسے بھی ناہی ڈیورانٹ نبی اکرم ﷺ کی پیغمبریت ، رہنمائی کی تفہیم کو سمجھ پایا ، نا اس کی اتنی فکری بساط ہے، یہاں ہمیں بس اس نیت کی بابت کسی غیر مسلم کی جانب سے تاریخی اشارے فراہم کرنے تھے، جو کر دئے گئے ہیں، اس ریاست کی درجہ بہ درجہ کامل شکل و کیفی میرے تخصیصی مقالہ میں تفصیل دیکھی جاسکتی ہے۔ یہ امر ذہن نشین رہے کہ ریاست مدینہ صرف بیعت عقبہ اولی و ثانی سے قایم نہیں ہوگئی تھی۔ مدینہ جانے و ہجرت کرنے سے قبل نبی اکرم ﷺ نے معصب بن عمیرؓ کو اس ریاست کے لوگوں کی ذہنی و قلبی تعلیم و تربیت کے لئے ان کے مطالبے پر روانہ کر دیا تھا، اور جب عمیرؓ نے نماز و عقاید کی مناسبت لیاقت قابلیت ان نو مسلموں میں پیدا کر دی تو اول آپ نے مہاجرین کو مدینہ روانہ کیااور پھر مابعد آخر میں بطور رسول الملوک، صدیقِ اکبرؓ کے ساتھ ہجرت فرمائی۔

ارادہ آزادی کی دوسری تاریخی مثال ریاست متحدہ امریکہ کی لی جاسکتی ہے، برطانیہ کی اس نوآبادی کے انگریزوں نے برطانوی استبداد و حاکمیت کو ایک وقت آیا اور ماننے سے انکار کر دیا انھونے نعرہ مارا کہ جب تک کوئی پارلیمانی نیابت و ایوانی نمایندگی نہیں ملے گی تب تک کوئی ٹیکس ادا نہیں کیا جایگا، یہ امر انگلستانی پارلیمان کو نامظور تھا، اور انقلاب کا سبب بنا، جس نے نظمیاتی، سیاسی تبدیلی قلب کا سامان پیدا کیا اور ایک آزاد بل تحریر آئین پر استوار ملک نمودار ہوا جس نے صدارتی، وفاقی جمہوریت کی سرمایہ دارانہ ہیت کو تشکیل دیا، جو ابراہم لنکن کے دور تک

ارتقا کر کے کامل ہوئی۔

پھر مابعد انھونے برطانیہ سے کامل آزادی کا مطالبہ کیا اور ۱۷۷۶ کو اعلان آزادی کرتے ہوئے جارج واشنگٹن کے زیر قیادت برطانیہ سے جنگ کا آغاز کیا اور ۱۸۸۳ میں جارج واشنگٹن نے کرنل کارنوالس جو بعد میں ہندوستان (بنگال) کا گورنر جنرل بنا کر بھیجا گیا کو شکست فاش سے دوچار کیا تھا، یہ وہ وقت تھا کہ جارج واشنگٹن کم تعداد فوجوں کے ساتھ جنگ لڑ رہا تھا تو دوسری طرف اس انقلاب کو مالی بنیادیں فراہم کرنے کے لئے بنجمن فرینکلن فرانس اور ہالینڈ سے انقلاب میں سرمایہ کاری حاصل کر کے مالی معاونت کو ممکن بنا رہا تھا، چناچہ جون اور جولائی ۱۷۷۶: میں فلاڈلفیا کے مقام پر مابعد از جنگ ریاست کے قایم پر مباحثے جاری تھے، چناچہ جون، جولائی میں یہ عمرانی مباحث سیاسی رخ اختیار کر گئے، چناچہ جون میں ورجینا کے رچرڈ ہنری نے امریکی کانگریس کو یہ تجویز پیش کی کہ متحدہ نو آبادیاں آزاد اور خود مختار ہوں، چناچہ انہیں تاج برطانیہ سے کامل آزادی کی اشد ضرورت ہے، چناچہ آزادی کے مشہور رہنما جو بعد میں صدر بنا جان ایڈمز آف میساچوسٹز نے اس تجویز کی تائید کی، دو جولائی کو یہ تجویز منظور ہوئی اور چار جولائی کو سرکاری طور پر آزادی کا اعلان کر دیا گیا، اس علان کی نسبت تھامس جیفرسن کی طرف کی جاتی ہے، یہ یورپ تک خبر پہنچ گئی تھی کہ امریکہ ایک آزاد و خود مختار مملکت بن چکا ہے، اور ۱۷۸۷ کو دنیا کا پہلا تحریری آئین منظور کر لیا گیا[18]۔

امریکہ اول ایک نیم وفاق تھا مگر مابعد وفاق بن گیا اس ضمن میں فکری طور پر امریکی ارادہ آذادی کی جوہریت کو سمجھنے کے لئے فیدرلسٹ پیپرز اور امریکن پرایمر کو پڑھنا اور سمجھنا ناگزیر محسوس ہوتا ہے۔ انقلاب امریکہ میں ملک کی کل کایہ پلٹ گئی، اب یہ ایک آزاد مستقل نقشہ پر خود مختار ملک بن کر رونما ہوا۔ اس کا نظام نو آبادی بادشاہی نظام سے صدارتی جمہوریت نوعیت کا حامل ہو گیا، اس کا اقتدار اعلی عوام کو تفویض ہوا۔ اس پوری بحث میں دیکھا جاسکتا ہے کہ کیسے اہل امریکہ نے ایک مخصوص خطہ زمین پر اپنی خود مختار حکومت کے زیر سایہ زندگی گزارنے کا فیصلہ کیا اور عوامی لبرل نوعیت کی روح قانون کو بطور اقتدار اعلی تسلیم کیا۔ اس آزادی و جنگ سے قبل بوسٹن ٹی۔ پارٹی کے سانحے کے نتیجہ میں جو فکر کامل آزادی کی عکاس و آئینہ دار تھی، درون امریکہ اجتماعی ارادہ کے طور پر نمودار ہوئی جس نے جولائی کے اعلان سے قبل کی بحث سے جنم لیا اور جو اہل امریکہ کا ارادہ آزادی تھا۔

ارادہ آزادی بشکل انقلاب کی دو نمایاں مثالیں ۱۹۱۷ کا اکتوبری روسی کمنیو سنٹ انقلاب تھا جس کے نتیجہ میں روس کی صدیوں سے موجود زار شاہی حکومت کا خاتمہ ہوا، روسی انقلاب نے کمینونسٹ نظمیہ و معاشرت کی داغ بیل ڈالی، معاشی سماج بدلا، مذہب کو کھڈے میں ڈال کر سلا دیا گیا، پارٹی ڈکٹیٹر شپ کا عروج ہوا۔ اسی طرح اس کی ایک مذہبی مثال انقلاب ایران کے ضمن میں دیکھی جاسکتی ہے۔ ایرانی عوام نے مجموعی انقلاب قایم کیا جس نے حکومت و ریاست، سماج کی ہیت و کیفیت بدل کر رکھ دی، نسلی شاہیت کا خاتمہ ہوا، ایک پیشوائی جمہوریت قایم ہوئی، لبرل و سیکولر ڈھانچہ کی جگہ مذہبی رہنماوؤں کے زیر قیادت پیشوائی حکومت کی ابتدا ہوئی، اور ایران ایک شیعہ مسلم رہنما ملک بن کر ابھرا، جس نے مشرق وسطی کی سیادت و قیادت کی قبل از اسلام حالت کی رجعت کو ہوا دی، یوں عرب و فارس کی نسلی، فکری، اور فرقہ وارانہ محاظ آرائی کا آغاز ہوا۔

اختتامیہ:

ان تمام سماجی، سیاسی، معاشی اور مذہبی دایرہ کار کی تبدیلی اور ان میں حکومت و مملکت کی تبدیلی کی جس اجتماعی روح نے، ریاست کو علاقہ، آبادی، حکومت و اقتدار اعلی سے قبل تخلیق ریاست کے ضمن میں تحریک فراہم کی اس روح و فکر کا نام ارادہ آزادی ہوتا ہے۔

ارادے کی آزادی کی بابت مفکرین و ماہرین نفسیات میں بھی ویسے ہی تصادم جاری رہا ہے جیسے ماضی میں اہل مذہب میں کلامی تناظر میں جبر و قدر کے ضمن میں رہا تھا اس ضمن میں مغرب میں دو نام فردی آزاد ارادے پر کافی نمایاں رہے ہیں جن میں سر ولیم جیمز اور برگساں کے نام نمایاں طور پر لئے جاتے ہیں۔ کانٹ کا کہنا تھا ارادہ کی آزادی اخلاقی حکم کے تناظر میں ایک اصولِ موضوعہ کا درجہ رکھتا ہے۔ ہم جب کہتے ہیں ایسا ہونا چاہئے اور کہتے ہیں کہ ہمارا اخلاقی فرض ہے تو ہمارا اشارا ارادہ کرنے کی ترغیب دینا ہوتا ہے، اور ترغیب وہاں کام کرتی ہے جہاں فرد

ذاتی طور پر ارادہ کو سرانجام دینے میں آزاد ہو۔کانٹ سمیت بہت سوں کا ماننا ہے کہ اگر ارادہ آزاد نا ہو تو فرض اور ذمہ داری، اخلاق ،عدل، حسن، قبح، خیر و شر جیسے تصورات بے معنی ہو جاتے ہیں۔

پھر سائنس کی دنیا میں اصولِ لاتعینیت نے مادی جبریت سے لے کر ارادی جبریت و آزادی میں تبدیلی کی فضا پیدا کی ہے۔اور طبعی دنیا میں بھی خاص قسم کی آزادی کے اثبات کی بات کی جارہی ہے۔

ولیم جیمز کا جہاں تک تعلق ہے تو آزادی کو اخلاقی بنیادوں اور بلراست تجربہ کی بناد پر ایک حقیقت کے طور پر مانتا محسوس ہوتا ہے۔اس کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے اخلاقی جدوجہد کو بناوٹی وضع کردہ جدوجہد کے برخلاف حقیقی نوعیت کا حامل ہونا چاہئے اور ایسا جبھی ممکن ہے جب کہ آزادی کے اصولِ موضوعہ کو ملحوظِ نظر رکھا جائے۔

اسی طرح برگساں کو جب ہم دیکھتے ہیں تو معلوم پڑتا ہے کہ اس کی رو سے آزادی حقیقت کی ساخت میں پنہاں ہوتی ہے،اس کی رو سے آزادی کو نفسی حیات کا جوہر سمجھا جائے تو عمدہ ہو گا۔کیونکہ زندگی کو دیکھو تو معلوم ہو گا کہ زندگی بذات خود ایک آزاد وجود کا درجہ رکھتی ہے۔قانون علت و سبب یا اصول تخلیق پر اطلاق کوئی عام فہم بات نہیں ہے کیونکہ یہ اصولاً مطلقاً آزاد محسوس ہوتا ہے۔

برگساں کا ارادہ آزادہ ایک مطلق انتہا پسندانہ موقف ہے، ہر آزادی اور اس کو بروئے کار لانے والا ارادہ مادر پدر ہابسین دور میں رہنے اور پنپنے والا ارادہ نہیں ہونا چاہئے اسے معتدل طور پر کسی نا کسی طرح لاکین حالت فطری سے لاکین معاہدہ عمرانی کے اریب قریب ہونا چاہئے۔[19]

مذہب و قانون نفسانی و روحانی حالتوں کی اخلاقی تربیت سے معاشرے کو مادر پدر آزاد ہونے سے روکتے ہیں، تاکہ نجی فری ارادے یا مطلق آزادی سے لطف اندوز ہو کر لوگ معاشرے کا امن و امان تباہ حال نا کر دیں،یوں آزادی کو ایک مذہبی و قانونی گرفت میں کم یا زیادہ کسی نا کسی سطح پر لازماً رہنا چاہئے، تاکہ معاشرہ و سیاسی نظم میں نراجیت کے جراثیم پنپ نا سکیں،اور امن و امان کی مجموعی حالت برقرار رہے۔کیونکہ ارادہ جب ریاستی قانون سے اجتماع تک منفی طور پر بہتا ہے تو مادر پدر آزاد ریاستی منفیت پیدا ہوتی ہے،اور منظم دنیا ایک بین الاقوامی نراجیت و عدم استحکام کی طرف رواں دواں ہوتی ہے،جہاں مافوق الفطرت بننے کے شوق کی آزادی ہٹلر کا اعلی نسل کا حامل آریائی منصوبہ پیدا کرتی ہے،جو اپنی عظمت و ریاستی قد و قامت کی بلندگی کے لئے غیر آریائی نسل کو نیست و نابود کر دیتی ہے،یہ مسولینی کی اجتماعی فاشیت کی صورت میں جبر و استحصال کا پیغام دیتی ہے،یہ پرولتاری انقلاب کی منفیت کے نام پر ہر کسی کو بورژوا مان کر اس کا لہو چوسنے لگتی ہے،اور جسے معاشرہ بس مزدوروں اور کسانوں کا معاشرہ دکھنے لگتا ہے،مارکس و اینجلز مادی روحانیت کے پیغمبر سمجھے جانے لگتے ہیں،یوں سامیت مخالف پروپگینڈے کی آڑ میں ایسی صیہونی تحفظی نراجی جبریت قائم ہوتی ہے کہ کل غزہ کو نیست و نابود کر کے ہزاروں کو قبر میں دفن کر دیتی ہے(۲۰۲۳ تا اگست ۲۰۲۴) اور لاکھوں کو زخمی و بے گھر بنا دیتی ہے۔یہ ارادہ آزادی نہیں ہے ارادہ جبریت، ارادہ استحصال، ارادہ نسل کشی ہے۔

ارادہ آزادی اس منفیت کے مقابل ایک تخلیق ریاست سے قبل کسی خطہ ارض کے باشندوں کی اپنے آزاد ریاستی وجود کے لئے پیش کردہ و اجتماعی ارادہ کی صورت ہوتی ہے،جو ان کی رضا و خواہش سے ایک آزاد ریاست کی نقشہ عالم پر نمودار ہونے کا سبب بنتی ہے۔

کچھ حد تک پاکستان بھی تین جون پلان، رحمت علی اسکیم اور قرارداد لاہور کی مجموعی ارادیت کی رو سے مسلمنان ہند کی برطانوی ہندوستان سے الگ و خارج بلنفس آزاد وجود کی علامت ہے۔جس کے لئے مسلمنانِ ہند نے اپنے رہنما محمد علی جناح کی قیادت میں کامل آزادی کا ارادہ ظاہر کیا تھا یہ الگ بات ہے کہ اس ارادے کی تکمیل کے ضمن میں سیاسی، سماجی اور مذہبی آزادیوں نے ارتقائی مدراج طے کئے تھے،شروع شروع میں برطانوی وفاق کے دایرہ کار میں صوبے یا ریاست کی شکل میں آزادی کی خواہش خام شکل میں موجود تھی، مگر انگریزوں اور ہندووں سے معاملات نے ارادہ کو خام ہیت و کفیت سے نکال کر کامل ارادہ آزادی میں بدل دیا، نتیجتاً اسلامی جمہوریہ پاکستان کا قیام عمل میں آیا،اور ۱۹۴۸ کی قرارداد مقاصد کی منظوری نے ارادہ آزادی کو اقتدار اعلی کے ضمن میں بلنفس کامل ہیت و کیفیت عطا کر دی۔

آخر میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ ارادہ آزادی سے مراد کسی ریاست کی

تخلیق سے قبل اربابِ حل و عقد اور آبادی کی وہ عمل میں لانے والی ارادیتی آزادی مراد ہوتی ہے جو وہ کسی مخصوص علاقہ میں اپنی قایم کردہ آزاد حکومت کے قیام کے ضمن میں ظاہر کرتی ہے، جس کے نتیجہ میں سیاسی معاشرہ ایک علاقہ کی حدود میں خود مختار کسی بیرونی دباو سے آزاد حیات بسر کرنا پسند کرتا ہے۔اور نقشہ عالم پر اس ریاست کے وجود اور اس پر قایم حکومت کو دیکھا جاتا ہے۔اب اس کو کون تسلیم کرتا ہے اور کون تسلیم نہیں کرتا ہے یہ الگ بحث کا مقام ہے۔

حوالہ جات:

[1] [1] Dr.Muhammad Ali.The Development Of and Evolution Of Islamic State :during the Era of Prophet Muhammad(pbuh)-

2 بخاری: عن عمر بن خطاب: حدیث: عدد:۱۔

3 ڈاکٹر عبد القادر۔کشاف اصطلاحات فلسفہ۔کراچی۔شعبہ تصنیف و تالیف: جامعہ کراچی:۱۹۹۴:صہ:۳۰۔

4 ڈاکٹر عبد القادر۔کشاف اصطلاحات فلسفہ۔کراچی۔شعبہ تصنیف و تالیف: جامعہ کراچی:۱۹۹۴:صہ:۳۰۔

5 مولانا ابو الاعلی مودودی۔اسلامی نظام زندگی اور اس کے بنیادی تصورات۔لاہور۔اسلامک پبلی کیشنز۔۲۰۱۱۔صہ:۱۰۷۔

6 ڈاکٹر محمد علی جنید۔ریاست مدینہ دور رسالت اور عہد ہائے خلفائے راشدین میں :علمی و تحقیقی مطالعہ: شعبہ سیاسیات۔جامعہ کراچی۔۲۰۱۵۔صہ:۸۲تا۹۱۔

7 Dr.Muhammad Ali.The Development Of and Evolution Of Islamic State :during the Era of Prophet Muhammad (PBUH):khi:journal:Al-Tafseer.issue:29.(jan-june:2017).Majlis:Al-Tafseer:pp:3-10.

8 General will.

9 Actual will.

10 Real will.

11 سید اصغر علی شاہ جعفری۔مغربی سیاسی افکار۔لاہور۔شیخ محمد بشیر اینڈ سنز۔ صہ:۲۰۴۔۲۰۵۔

12 Kant:What is Enlightnement?:Microosoft Encyclopedia Encarta.2008.DvD Edition.Key word:kant.

13 اسٹیفن لا۔عظیم فلاسفرز کراچی، سٹی بک پوائنٹ:۲۰۱۷:صہ:۱۳۶،۱۳۵۔

14 قاضی قیصر الاسلام۔فلسفے کے بنیادی مسایل۔اسلام آباد۔نیشنل بک فاونڈیشن۔ ۲۰۱۲۔صہ:۱۹۴۔

15 Will for freedom.

16 ول ڈیورانٹ۔تہذیب اور سوچ کی داستان۔لاہور۔نگارشات۔۲۰۲۱۔ صہ:۲۳۹،۲۳۸۔

17 الفتح:۲۹۔

18 ہنڈراک وان لون۔نوع انسانی کی کہانی۔لاہور۔تخلیقات۔۲۰۰۵۔ صہ:۲۲۴،۲۲۳۔

19 قاضی قیصر الاسلام۔فلسفے کے بنیادی مسایل۔اسلام آباد۔نیشنل بک فاونڈیشن۔۲۰۱۲۔صہ:۱۹۸،۱۹۷۔